شاہد حسین رزاقی

سرسید اور حقوقِ نسواں

سرسید احمد خاں ترقی نسواں کی تحریک کے حامی تھے اور خوب جانتے تھے کہ جس قوم کی عورتیں پستی کی حالت میں ہوں گی وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ چنانچہ معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لیے سرسید نے جو لائحۂ عمل مرتب کیا اور جو عملی جدوجہد کی اس کا ایک اہم پہلو عورتوں کے حقوق کا تحفظ بھی تھا۔ مسلمانوں کے زوال نے ان میں بہت سی دینی اور معاشرتی خرابیاں پیدا کر دیں اور انھوں نے عورتوں کو ان حقوق سے بھی محروم کر دیا جو اسلام نے انھیں عطا کیے تھے۔ اسلام سے قبل اور اس کے بعد بھی صدیوں تک تمام غیر مسلم معاشروں میں عورت انتہائی پستی کی حالت میں رہی اور ترقی یافتہ قومیں بھی اس کو انسانی حقوق دینے پر آمادہ نہ تھیں۔ لیکن اسلام نے عورتوں کو معاشرتی، سیاسی، اقتصادی ہر قسم کے حقوق دے کر جنسی مساوات کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔ اور مسلمان عورتوں کو ساتویں صدی میں ہی وہ حقوق حاصل ہو گئے جن کے لیے مغرب کی ترقی یافتہ قوموں کو انیسویں صدی تک جدوجہد کرنی پڑی۔ لیکن اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیے وہ خود مسلمانوں نے ان سے چھین لیے اور رفتہ رفتہ مسلم معاشروں میں عورت محکوم و مظلوم بن گئی۔ عورتوں کو ان کے جائز حقوق اور ترقی کے مواقع سے محروم کر دینے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم معاشرہ کی حالت بگڑ گئی، اور مسلمان قوموں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی حالت اکثر اسلامی ملکوں کے مقابلے میں بھی بہت خراب تھی اور یہاں معاشرتی اصلاح کی کوششوں کو کامیاب بنانے کے لیے یہ لازمی تھا کہ عورتوں کو ان کے تمام جائز حقوق اور ترقی کرنے

کے پورے مواقع دیے جائیں اور ان کا تحفظ کیا جائے۔

اسلام کے عطا کردہ حقوق

ہندوستان میں مسلمان عورتوں کو ان کے حقوق دینے کے سلسلے میں سرسید کے پیش نظر دو اہم کام تھے۔ ایک تو مسلمانوں کو یہ بتلانا کہ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں ان کو غصب کر کے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے راستے میں زبردست رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں اور دوسرے مغربی ممالک کے ان لوگوں کو جو اسلام کے مخالف ہیں اور مسلم معاشروں میں عورتوں کی پست حالت کو اسلامی تعلیمات کا نقص قرار دیتے ہیں، یہ بتلانا کہ اسلام نے درحقیقت عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں وہ ان حقوق سے بھی بہت زیادہ ہیں جو مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں میں عورتوں نے بہت شدید اور نہایت طویل جد وجہد کے بعد حاصل کیے ہیں۔ اور مسلم معاشروں میں عورتوں کی پستی کا سبب دراصل یہ ہے کہ مسلمان زوال پذیر ہو گئے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر کے انھوں نے عورتوں کو حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر سرسید نے پہلے تو یہ بتلایا کہ انگلستان جیسے ترقی یافتہ ملک میں بھی اس وقت عورت کی قانونی حیثیت کیا ہے اور پھر ان حقوق کی تفصیل بیان کی جو اسلام نے عورتوں کو عطا کیے ہیں۔ اور آخر میں اس بات پر زور دیا کہ اسلام کے دامن سے بدنامی کا داغ دھونے اور اپنے معاشرہ کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے یہ لازمی ہے کہ مسلمان عورتوں کو وہ حقوق پھر واپس دیں جو اسلام نے ان کو عطا کیے ہیں۔

انگریز عورت کی قانونی حیثیت

انگلستان میں عورتوں کی قانونی حیثیت کو ظاہر کرتے ہوئے سرسید نے یہ واضح کیا کہ ترقی یافتہ ملک اس بات پر بہت غل مچاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں بہ اعتبار آفرینش کے مساوی ہیں۔ اور دونوں برابر حق رکھتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورتوں کو

مردوں سے کم اور حقیر سمجھا جائے۔ اگر تمثیلاً کہا جاوے کہ عورت انسان کے لیے بمنزلہ بائیں ہاتھ کے ہے اور مرد بمنزلہ دائیں ہاتھ کے تو بھی وہ اس پر راضی نہیں ہوتے۔ باین ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر قدر و منزلت عورتوں کی مذہب اسلام میں کی گئی ہے اور ان کے حقوق اور ان کے اختیارات کو مردوں کے برابر کیا گیا ہے اس قدر آج تک کسی تربیت یافتہ ملک میں نہیں ہے۔ انگلینڈ جو عورتوں کی آزادی کا بڑا حامی ہے جب اس کے قانون پر جو عورتوں کے باب میں ہے نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے عورتوں کو نہایت حقیر اور لاعقل اور لاشے سمجھا ہے۔

انگلینڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے مبدل ہو جاتی ہے۔ وہ کسی قسم کے معاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس لیے وہ کسی دستاویز کی جو بلا شوہر کی مرضی کے لکھی ہو ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔ ذاتی اسباب اور نقد و جائداد جو شادی سے قبل عورت کی ملک ہو وہ شادی کے بعد شوہر کے قبضے میں آجاتی ہے۔ عورت کو شادی سے قبل یا اس کے بعد وراثتاً جو جائداد ملے اس پر اس کا شوہر قابض ہو جاتا ہے اور وہی اس کی آمدنی لیتا ہے۔ عورت لاعقل شخص کے مانند نہ تو کسی پر دعویٰ کر سکتی ہے اور نہ کوئی اس پر دعویٰ کر سکتا ہے۔ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہ کوئی چیز خرید سکتی ہے اور نہ بیع کر سکتی ہے۔ اور روٹی کھانے، کپڑا پہننے اور مکان میں رہنے کے خرچ کے سوا کوئی اور خرچ شوہر کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتی گویا کہ عورت پر شادی کا اثر کسی جرم قابل ضبطی جائداد کی مانند ہوتا ہے اور قانون کی نظر میں وہ لاعقل شخص کی طرح ہوتی ہے۔

مسلمان عورت کا مساوی مرتبہ

عورتوں کے متعلق انگلستان کے قانون سے اسلامی قانون کا مقابلہ کر کے سرسید نے یہ بتلایا کہ مسلمانی قانون میں عورتوں کو کس طرح عزت دی گئی ہے اور مردوں کے برابر ان کے حقوق اور اختیار تسلیم کیے گئے ہیں۔ حالت نابالغی میں مرد کی طرح عورت بھی بے اختیار اور

ناقابل معاہدہ متصور ہوتی ہے لیکن بعد بلوغ وہ بالکل مثل مرد کے مختار اور ہر ایک معاہدہ کے لائق ہوتی ہے۔ مرد کی طرح عورت بھی اپنی شادی کرنے میں مختار ہے۔ اور جس طرح کہ مرد کی بے رضامندی نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح عورت کی بلا رضامندی نکاح نہیں ہوسکتا۔ عورت اپنی تمام جائداد کی خود مالک اور مختار ہے اور ہر طرح اس میں تصرف کرنے کا اس کو اختیار کامل حاصل ہے۔ وہ مثل مرد کے ہر قسم کے معاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کی ذات اور اس کی جائداد پر ان دستاویزوں کی ذمہ داری ہوتی ہے جو وہ تحریر کرتی ہے۔ شادی سے قبل اور اس کے بعد جو جائداد عورت کی ملکیت میں آئے وہ خود اس کی مالک ہوتی ہے اور وہی اس کی آمدنی لیتی ہے۔ وہ مثل مرد کے دعویٰ بھی کرسکتی ہے اور اس پر بھی دعویٰ ہوسکتا ہے۔ وہ اپنے مال سے ہر ایک چیز خرید سکتی ہے۔ اور جو چاہے بیع کرسکتی ہے اور مثل مرد کے ہر قسم کی جائداد کو ہبہ اور وصیت اور وقف کرسکتی ہے۔ اور رشتہ داروں اور شوہر کی جائداد میں سے بہ ترتیب وراثت ورثہ پاسکتی ہے۔ تمام مذہبی نیکیوں کو جو مرد حاصل کرسکتا ہے وہ عورت بھی حاصل کرسکتی ہے۔ اور تمام گناہوں کے عوض میں دنیا اور آخرت میں عورت بھی وہی سزائیں پاسکتی ہے جو مرد پاسکتا ہے۔ عورت پر کوئی خاص پابندی بجز اس کے جو خود اس نے بہ سبب معاہدۂ نکاح کے قبول کی ہیں یا اس تفاوت ستر عورت میں جو قدرت نے دونوں میں مختلف طور سے بنایا ہے ایسی نہیں ہے جو مرد پر نہ ہو۔

مسلمانوں کا طرزِ عمل

اسلام نے مسلمان عورتوں کو جو حقوق دیے وہ مردوں نے غصب کر لیے اور اس کا لازمی نتیجہ معاشرتی خرابیوں کی شکل میں نکلا۔ اور اسلام کو بھی بدنام کیا گیا۔ سرسید نے اس طرزِ عمل کے نتائج واضح کرنے کے لیے مسلمانوں کو یہ بتلایا کہ حقیقت میں مذہب اسلام میں جس طرح کہ عورت و مرد کو برابر سمجھا ہے ویسا نہ کسی مذہب میں ہے اور نہ کسی

قوم کے قانون میں ہے ۔ مگر تعجب اور کمال تعجب اس بات میں ہے کہ تمام تربیت یافتہ ملک مسلمانوں کی عورتوں کی جو حالت ہے اس پر بہت کچھ نام رکھتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تربیت یافتہ ملک کی عورتوں کی حالت مسلمانوں اور مسلمان ملک کی عورتوں کی حالت سے بدرجہا بہتر ہے ۔ حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہونا چاہیے تھا۔

تربیت یافتہ ملکوں میں عورتوں کو بے پردگی کی جو آزادی ہے اس سے سرسید متفق نہیں ۔ لیکن وہاں "مردوں کے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت اور تواضع اور خاطر داری اور محبت اور پاسِ خاطر اور ان کی آسائش و آرام کی طرف متوجہ ہونا اور ان کو ہر طرح خوش رکھنا اور بعوض اس کے کہ عورتوں کو اپنا خدمت گذار تصور کیا جائے ان کو اپنا انیس اور جلیس اور رنج و راحت کا شریک اور اپنے کو ان کی اور ان کو اپنی مسرت اور تقویت کا باعث سمجھنا" قابلِ تقلید خوبیاں تصور کرتے ہیں اور اس بات پر متاسف ہیں کہ "تربیت یافتہ ملکوں میں تو یہ تمام مراتب بخوبی برتنے جاتے ہیں مگر مسلمان ملکوں میں ویسے نہیں برتنے جاتے ، اور ہندوستان میں تو ایسی نالائقی اور خاک اڑتی ہے کہ نعوذ باللہ منہا ۔"

مسلم معاشروں میں عورتوں کی حالت دیکھ کر اسلام کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی تردید کرتے ہوئے سرسید نے ہندوستانی مسلمانوں کو اسلامی احکام کے مطابق عورتوں کو ان کے حقوق دینے کی تلقین کی اور اس حقیقت کا اظہار کیا کہ ہندوستان میں جس قدر کہ عورتوں کی حالت میں تنزل ہے اس کا اصلی باعث احکام مذہب اسلام کی بخوبی پابندی نہ کرنا ہے ۔ اگر ان کی پابندی کی جاوے تو بلاشبہ یہ تمام خرابیاں دور ہو جاویں ، بڑا باعث اس کا نامہذب ہونا مسلمانوں کا ہے ۔ مہذب قوموں نے باوجودیکہ ان کے ہاں کا قانون نسبت عورتوں کے نہایت ہی ناقص اور خراب تھا اپنی عورتوں کی حالت کو نہایت اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہنچایا ہے ۔ اور مسلمانوں نے باوجودیکہ ان کا مذہبی قانون

نسبت عورتوں کے اور ان کی حالت بہتری کے تمام دنیا کے قانون سے بہتر اور عمدہ تھا،
انھوں نے اپنے نامہذب ہونے سے ایسا خراب برتاؤ عورتوں کے ساتھ اختیار کیا ہے
جس کے سبب تمام قومیں ان کی حالت پر ہنستی ہیں۔ اور ہماری ذاتی برائیوں کے سبب اس
وجہ سے کہ قوم کی قوم ایک حالت پر ہے اس قوم کے مذہب پر عیب لگاتی ہیں۔ پس اب
یہ زمانہ نہیں ہے کہ ہم ان باتوں کی غیرت نہ کریں اور اپنے چال چلن کو درست نہ کریں، اور
جیسا کہ مذہب اسلام روشن ہے خود اپنے چال چلن سے اس کی روشنی کا ثبوت لوگوں کو نہ
دکھائیں۔"

عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ

سر سید تعلیم نسواں کے بڑے حامی تھے اور معاشرتی اصلاح اور قومی ترقی کے لیے اس کو لازمی قرار دیتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کے خاص حالات کے پیشِ نظر انھوں نے عورتوں کی تعلیم کے بارے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ سر سید تعلیم نسواں کے مخالف ہیں۔ وہ صرف لڑکوں کو جدید تعلیم دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن لڑکیوں کی تعلیم پر مطلق توجہ نہیں کرتے۔ اور تعلیم نسواں کو معاشرہ کے لیے نقصان رساں تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ سر سید کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ عورتوں کو تعلیم سے محروم رکھا جائے۔ بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ پہلے لڑکوں کی تعلیم پر پوری توجہ صرف کی جائے اور لڑکیاں جدید تعلیم کے بجائے بدستور پرانی تعلیم حاصل کرتی رہیں۔ اور جب لڑکے نئی تعلیم و تربیت پوری طرح حاصل کرلیں تو پھر عورتوں کو ان کی ضروریات کے مطابق نئی تعلیم دی جائے۔

تعلیم نسواں کی حمایت

معاشرہ کی اصلاح و ترقی اور قوم کے عروج و استحکام کے لیے عورتوں کو تعلیم دینا کس قدر ضروری ہے اور عورتوں کے تعلیم یافتہ ہونے سے قوم کس قدر ترقی کرجاتی ہے اس کا سر سید کو

پورا احساس تھا اور انھوں نے بار بار اس کا اعتراف بھی کیا۔ انگلستان میں قیام کے دوران میں انھوں نے انگریزی معاشرہ کے مختلف پہلوؤں کا بہت غور سے مطالعہ کیا تھا۔ اور ان کی رائے یہ تھی کہ "تمام خوبیاں دینی اور دنیوی جو انسان میں ہونی چاہیے وہ خدا تعالےٰ نے یورپ کو اور اس میں بالتخصیص انگلینڈ کو مرحمت فرمائی ہیں۔ وہ تمام کام ایسی خوبصورتی اور ایسی عمدگی سے انجام دیتے ہیں کہ کسی ملک میں اور کوئی مذہب والے اس خوبی و خوش اسلوبی و سلیقے سے نہیں کرتے۔ اور یہ نتیجہ ہے زن و مرد کے عموماً تعلیم یافتہ ہونے کا اور تمام قوم کا ان امور کی طرف متوجہ ہونے کا۔ اگر ہندوستان کے لوگ بھی عموماً تعلیم و تربیت پا جاویں تو ہندوستان بھی انگلستان سے زیادہ نہیں تو اس کے قریب قریب ہو جاوے۔" کلفٹن میں رصدخانہ سینٹ ونسنٹ کو دیکھ کر سرسید حیران رہ گئے اور ان کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس کا تمام انتظام ایک عورت کے سپرد تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے سفرنامہ میں اس رصدخانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ شاید اس بات کو سن کر ہمارے زمانہ کے علماء اور فلسفی اور منطقی ضرور شرم کریں گے کہ یہ تمام کارخانہ ایک عورت کے سپرد ہے۔ اور جس قدر آلات کے اب اس میں موجود ہیں اور جو جو عمل ان سے ہو سکتے ہیں، وہ عورت کر کے دکھاتی ہے۔ میں دو دفعہ گیا اور اس عورت نے سب کام کر کے دکھائے۔ مجھ کو تو اپنی سفید داڑھی پر اس عورت کے سامنے شرم آئی۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے ہم وطنوں کو شرم بھی نہیں آتی۔" لندن میں سرسید جس خاندان کے ساتھ رہتے تھے اس کی خواتین کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ "مسز لڈلم ایک ایسی قابل اور تعلیم یافتہ۔ نہایت شائستہ۔ نہایت پڑھی لکھی نہایت نیک بی بی ہے کہ اس کی خوبیاں مجھ سے بیان نہیں ہو سکتیں۔ تہذیب اور اخلاق اور ادب اور انسانیت سب چیز کی مجسم ہے۔ تمام کام اور تمام معاملات خانہ داری کے نہایت لیاقت سے خود کرتی ہے اور مسٹر لڈلم کو بجز آفس میں جانے اور اپنے علمی جلسوں میں شریک رہنے کے کسی چیز کی فکر نہیں ہے۔ مسز لڈلم کی دونوں بہنیں بھی اسی طرح پڑھی لکھی اور

قابل ہیں۔ ان میں سے مس ایلن وسٹ کو کتابوں کے پڑھنے کا نہایت شوق ہے۔ چند روز ہوئے کہ وہ نہایت بیمار ہوگئی تھیں۔ اور پلنگ پر سے اٹھنے پھرنے کی طاقت نہ تھی۔ انھوں نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ جو کتابیں حال ہی میں تم نے متعلق مذہب مسلمانوں کے خریدی ہیں ان میں سے کوئی میرے پڑھنے اور دل بہلانے کو بھیج دو۔ چنانچہ میں نے ایک کتاب بھیج دی۔ دو دن میں اس نے اس کتاب کو پڑھ ڈالا اور جب اس کو بالکل صحت ہوئی اور باہر آئی تو چند باتیں نہایت عمدہ اس کتاب میں سے بیان کیں۔" اس گھر کی نوکرانی این اسمتھ کا ذکر کرتے ہوئے سرسید نے لکھا ہے کہ "یہ نہایت ہوشیار اور پڑھی لکھی، خوش خط باسلیقہ ہے۔ کتابیں پڑھ سکتی ہے۔ تمام ضروری مضمون لکھ سکتی ہے اخبار پڑھ سکتی ہے۔ اور اس سے خوشی حاصل کر سکتی ہے۔ اپنا متعلق کام اس خوبی سے انجام دیتی ہے کہ جیسے کوئی کل یا گھڑی بلا تفاوت باقاعدہ اپنا کام کرتی ہے . . . . پس اب سمجھنا چاہیے کہ متوسط درجہ سے کس قدر کم درجہ کی عورتوں کی بھی کیسی عمدہ تعلیم ہے۔ کیا یہ تعجب انگیز بات نہیں کہ ایک عورت حالتِ بیماری میں کتاب پڑھنے سے دل بہلاوے۔ آپ نے ہندوستان میں کسی امیر، کسی نواب، کسی راجا، کسی مرد اشراف کو بھی ایسی خصلت کا دیکھا ہے۔ اگر ہندوستان میں کوئی عورت بالکل برہنہ بازار میں پھرنے لگے تو ہمارے ہم وطنوں کو کیسا تعجب اور کس قدر حیرت ہوگی۔ بلا مبالغہ یہی مثال ہے کہ جب یہاں کی عورتیں یہ سنتی ہیں کہ ہندوستان کی عورتیں پڑھنا لکھنا نہیں جانتیں اور حلیۂ تربیت اور زیورِ تعلیم سے بالکل برہنہ ہیں تو ان کو ایسا ہی تعجب ہوتا ہے اور بکمال نفرت اور حقارت ان کے خیال میں گذرتی ہے۔" سرسید کے ان خیالات و تاثرات سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کے کس قدر حامی تھے اور قومی ترقی کے لیے اس کو کتنا ضروری خیال کرتے تھے۔

سرسید کا نقطۂ نظر

عورتوں کی تعلیم کے اس قدر حامی ہونے کے باوجود سرسید ہندوستانی مسلمان لڑکیوں کو اسکولوں میں پڑھانے کے مخالف تھے اور لڑکوں کی طرح ان کو جدید علوم کی تعلیم دینا غیر ضروری خیال

کرتے تھے۔ اس کا سبب اس ملک کے خاص حالات تھے جن کا اظہار سر سید نے متعدد موقعوں پر کیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۸۲ء میں جب کہ وہ قانون ساز کونسل کے ممبر تھے انھوں نے تعلیمی کمیشن کے سامنے بیان دیتے ہوئے مسلمان عورتوں کی تعلیم کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ "گورنمنٹ عملاً کوئی تدبیر ایسی اختیار نہیں کر سکتی جس سے اشراف خاندانوں کے مسلمان اپنی بیٹیوں کو تعلیم کے واسطے گورنمنٹ اسکولوں میں بھیجنے پر مائل ہوں اور نہ کوئی ایسا اسکول قائم کر سکتی ہے جو کہ ان لڑکیوں کے مربیوں کی طمانیت کے لائق ہو۔ میں مسلمانوں پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو ان اسکولوں میں نہیں بھیجتے اور یقیناً کوئی اشراف یورپین بھی گو وہ کیسا ہی تعلیم نسواں کا شوقین ہو، مسلمانوں پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا۔ بشرطیکہ وہ اس ملک کے مدرسوں کی حالت سے واقف ہو . . . . جس حیثیت اور وقعت کے مدارس نسواں ہندوستان میں ہیں اگر ایسے مدرسے انگلستان میں فرض کیے جائیں تو کیا اشراف خاندانوں کے انگریز اپنی لڑکیوں کو ان مدرسوں میں بھیجنا پسند کریں گے۔ ہرگز نہیں۔ عورتوں کی تعلیم کا معاملہ اس فلاسفر کے سوال سے نہایت مشابہ ہے جس نے پوچھا تھا کہ پہلے مرغی پیدا ہوئی یا انڈا۔ جن شخصوں کی یہ رائے ہے کہ مردوں کی تعلیم سے پہلے عورتوں کی تعلیم ہونی چاہیے وہ غلطی پر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کی پوری تعلیم اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ اس قوم کے اکثر مرد پورے تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں گے۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی سوشل حالت پر غور کیا جائے تو اس وقت تک جو حالت مسلمان عورتوں کی ہے وہ میری رائے میں خانگی خوشی کے واسطے کافی ہے۔ جو کچھ گورنمنٹ کو بالفعل کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے بندوبست کی جانب کافی توجہ کرے۔ جب کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل بخوبی تعلیم و تربیت یافتہ ہو جائے گی تو مسلمان عورتوں کی تعلیم پر اس کا ضرور بالضرور ایک زبردست گو خفیہ اثر پہنچے گا۔ تعلیم یافتہ باپ یا بھائی یا شوہر بالطبع اپنی رشتہ مند عورتوں کی تعلیم کے خواہش مند ہوں گے . . . اگر گورنمنٹ مسلمان شریف خاندانوں میں تعلیم نسواں کے جاری کرنے کی

کوشش کرے گی تو حالتِ موجودہ میں محض ناکامی ہوگی۔ اور میری رائے ناقص میں اس سے مضر نتیجے پیدا ہوں گے اور روپیہ اور محنت ضائع ہوگی۔"

عورتوں کی تعلیم کے متعلق سر سید کا یہ نظریہ ان کے پورے غور و فکر کا نتیجہ تھا جس پر وہ آخر تک قائم رہے اور ۱۸۹۱ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا جو اجلاس علی گڑھ میں منعقد ہوا اس میں انھوں نے اپنے اس خیال کی پوری وضاحت کی اور کہا کہ اس وقت ہم تمام یورپ کی اور تعلیم یافتہ ممالک کی ہسٹری دیکھتے ہیں اور پاتے ہیں کہ جب مرد لائق ہو جاتے ہیں، تو عورتیں بھی لائق ہو جاتی ہیں۔ جب تک مرد لائق نہ ہوں عورتیں بھی لائق نہیں ہو سکتیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم عورتوں کی تعلیم کا انتظام نہیں کرتے اور اپنی اسی کوشش کو لڑکیوں کی تعلیم کا بھی ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خود ہندوستان کا حال دیکھو کہ کتنے خاندان جو ذی علم تھے ان خاندانوں کی عورتیں کیسی تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ الزام کہ ہیں عورتوں کی تعلیم سے کنارہ کش ہوں محض غلط ہے۔ میری رائے میں عورتوں کی تعلیم کا ذریعہ مرد ہی ہوں گے۔ جب مرد لائق ہو جاویں گے تو سب ذریعے عورتوں کی تعلیم کے پیدا کر لیں گے۔ اور اسی لیے میں کوشش کرتا ہوں کہ لڑکوں کی تعلیم ہو جاوے۔ جب وہ تعلیم یافتہ ہو جاویں گے تو اپنی بیبیوں اور بچوں اور عورتوں کو تعلیم سے آراستہ کریں گے۔"

عورتوں کی تعلیم کی نوعیت

عورتوں کی تعلیم کے متعلق سر سید نے جب ان خیالات کا اظہار کیا تو وہ انگلستان میں طویل قیام کر کے وطن واپس آ چکے تھے۔ وہاں انھوں نے اس مسئلہ کا غائر مطالعہ کیا تھا اور تعلیم نسواں کی اہمیت اور اس کے نتائج سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ انگلستان میں عورتوں کی تعلیم عام ہونے کی وہ بڑی تعریف کرتے تھے اور اس کو قومی ترقی کا ایک اہم اور بنیادی سبب قرار دیتے تھے لیکن ہندوستان کے حالات یورپ سے بالکل مختلف تھے، اور اسی وجہ سے یہاں عورتوں کی تعلیم کے متعلق سر سید کی رائے بالکل مختلف تھی اور وہ اس

رائے پر ہمیشہ سختی سے قائم رہے۔ اس کی وجہ سے لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ سرسید عورتوں کی تعلیم کے مخالف ہیں، اور اسی سبب سے وہ اس پر کوئی توجہ نہیں کرتے۔ چنانچہ جب وہ پنجاب کا دورہ کر رہے تھے تو گورداسپور میں خواتین نے ان کو ایک سپاس نامہ پیش کیا تھا جس میں مسلمان عورتوں کی تعلیم کی طرف ان کو متوجہ کیا گیا تھا۔ اس سپاس نامہ کے جواب میں سرسید نے کہا کہ "میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پروا نہیں ہوں۔ میں دل سے ان کی ترقیِ تعلیم کا خواہاں ہوں۔ مجھ کو جہاں تک مخالفت ہے اس طریقۂ تعلیم سے ہے جس کو اختیار کرنے پر اس زمانے کے کوتاہ اندیش مائل ہیں۔ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقۂ تعلیم اختیار کرنے پر کوشش کرو۔ وہی طریقہ تمھارے لیے دین و دنیا میں بھلائی کا پھل دے گا اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا۔

تم یقین جانو کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں مردوں کی حالت درست ہونے سے پہلے عورتوں کی حالت میں درستی ہوگئی ہو۔ اور کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں ہے جس میں مردوں کی حالت درست ہوگئی ہو اور عورتوں کی حالت درست نہ ہوئی ہو۔ میں نے لڑکوں کی تعلیم پر جو کوشش کی ہے اس سے یہ نہ سمجھو کہ میں اپنی پیاری بیٹیوں کو بھول گیا ہوں۔ بلکہ میرا یقین ہے کہ لڑکوں کی تعلیم پر کوشش کرنا لڑکیوں کی تعلیم کی جڑ ہے۔ پس جو خدمت میں لڑکوں کے لیے کرتا ہوں وہ درحقیقت لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے ہے۔"

سرسید کا خیال تھا کہ روٹی کمانے کے لیے مردوں کو زمانے کی مناسبت سے تعلیم کی ضرورت ہے لیکن عورتوں کی تعلیم کے مقصد میں چونکہ کوئی فرق نہیں ہوا ہے اس لیے ان کو موجودہ نامبارک کتابوں کے بجائے ان مقدس کتابوں کی ضرورت ہے جو اُن کی دادیاں اور نانیاں پڑھتی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے عورتوں کو نصیحت کی کہ "تمھارا فرض ہے کہ تم اپنے ایمان اور اسلام سے واقف ہو۔ اس کی نیکی اور خدا کی عبادت کی خوبی کو تم جانو۔ اخلاق میں نیکی اور نیک دلی، رحم و محبت کی قدر سمجھو اور ان سب باتوں کو اپنے برتاؤ میں لاؤ۔ گھر کا اہتمام اپنے ہاتھوں میں

رکھو۔ اپنے گھر کی مالک رہو۔ اس پر مثل شہزادی کے حکومت کرو۔ اور مثل ایک لائق وزیرزادی کے منتظم رہو۔ اپنی اولاد کی پرورش کرو۔ اپنی لڑکیوں کو تعلیم دے کر اپنا سا بناؤ۔ خداپرستی، خداترسی۔ اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہمدردی اپنا طریقہ رکھو۔ یہ تمام سچی تعلیم نہایت عمدگی سے ان کتابوں سے حاصل ہوتی ہے جو تمھاری دادیاں نانیاں پڑھتی تھیں۔ جیسی وہ اس زمانے میں مفید تھیں ویسی ہی اس زمانے میں بھی مفید ہیں۔ پس اس زمانے کی نامفید اور نامبارک کتابوں کی تم کو کیا ضرورت ہے۔ تمھارے خاندان کے مردوں کی نالائقی اور جہالت سے تمھارے متعدد حقوق جو خدا کے حکم سے تم کو ملے ہیں اور جن کا انسانیت کی رو سے تمھارا حق ہے، برباد ہوگئے ہیں۔ اور وہ حق پھر تمھیں واپس دلانے کی یہی تدبیر ہے کہ تمھارے لڑکوں کی تعلیم میں کوشش کی جائے۔ جب کہ وہ تعلیم یافتہ ہو جاویں گے تو وہ مغصوبہ حقوق ازخود بے مانگے تم کو واپس ملیں گے۔" سرسید کی اس تقریر سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم کے تو حامی تھے مگر ہندوستان کے حالات کے پیش نظر ان کے لیے مذہبی و اخلاقی تعلیم اور خانہ داری کی تربیت کو کافی سمجھتے تھے اور اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ مردوں کے تعلیم یافتہ بن جانے سے عورتوں کی عام تعلیم کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا، اور تعلیم یافتہ مرد عورتوں کی تعلیم پر پوری توجہ کریں گے۔

زنانہ مدارس کا سوال

مارچ ۱۸۸۸ء میں ایجوکیشنل کانگرس کا تیسرا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا جس میں تعلیم نسواں کی تائید میں ایک قرارداد پیش کی گئی تھی۔ اس قرارداد کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے سرسید نے کہا کہ "بہت سی باتوں میں میری طرف نئے خیالات منسوب ہوتے ہیں لیکن عورت کی تعلیم کی نسبت میرے وہی خیالات ہیں جو ہمارے قدیم بزرگوں کے تھے۔ جو جدید انتظام عورتوں کی تعلیم کا اس زمانے میں کیا جاتا ہے، خواہ وہ گورنمنٹ کا ہو خواہ اس کا انتظام کوئی مسلمان یا کوئی انجمن اسلامی کرے، اس کو میں پسند نہیں کرسکتا۔ عورتوں کی تعلیم کے لیے

مدرسوں کا قائم کرنا اور یورپ کے زنانہ مدرسوں کی تقلید کرنا ہندوستان کے موجودہ حالات کے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اور میں اس کا سخت مخالف ہوں۔ لوگوں نے یہ بات سنی ہے کہ انگلستان میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مدرسے ہیں اور وہ اسی طرح ان میں جمع ہو کر پڑھتی ہیں جس طرح کہ لڑکے مدرسوں میں جمع ہو کر پڑھتے ہیں اور رہتے ہیں۔ میں نے ایسے زنانہ مدرسوں کو جہاں اشراف کی لڑکیاں پڑھتی اور رہتی تھیں دیکھا ہے۔ اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو حالت عمدگی اور طمانیت اور تعلیم کی ان مدرسوں میں ہے ہندوستان کو وہاں تک پہنچنے کے لیے ابھی سینکڑوں برس درکار ہیں۔ اگر فرض کرو کہ ایسے ادارے ہندوستان میں ہوں تو میں ہر اشراف خاندان سے کہوں گا کہ بے شک اپنی لڑکیوں کو وہاں بھیجو۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان میں ابھی ایسا ہونا محال ہے۔"

عورتوں کو جس قسم کے علوم پڑھانے کا خیال پیدا ہوا تھا سرسید نے اس کی بھی مخالفت کی۔ اور ان کو اپنے حالات اور ضروریات کے لیے ناموزوں اور غیر مفید قرار دے کر کہا کہ یورپ کی اور امریکہ کی حالت معاشرت کے خیال سے شاید وہ علوم لڑکیوں کو سکھانے ضرور ہوں جو ہمارے شرفا میں لڑکیوں کی تعلیم میں داخل نہیں کیونکہ ممکن ہے وہاں عورتیں پوسٹ ماسٹر اور ٹیلیگراف ماسٹر یا پارلیمنٹ کی ممبر ہو سکیں لیکن ہندوستان میں نہ وہ زمانہ ہے نہ سینکڑوں برس بعد بھی آنے والا ہے۔ سرسید کے ایسے ہی خیالات کی بنا پر لوگ ان کو سمجھنے میں غلطی کرتے اور تعلیم نسواں کا مخالف سمجھتے تھے۔ مگر ان کی تحریروں اور تقریروں سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تعلیم نسواں کے بڑے حامی تھے اور اس کو قومی ترقی کے لیے ضروری تصور کرتے تھے۔ انگلستان میں لڑکیوں کے اسکولوں کو وہ بہت پسند کرتے تھے۔ لیکن ہندوستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے وہ ان مدرسوں کو اس ملک کے لیے نقصان رساں سمجھتے تھے۔ حالات کی تبدیلی نے لڑکوں کے لیے جدید قسم کے اداروں میں نئے علوم کی تعلیم حاصل کرنا لازمی بنا دیا تھا۔ لیکن لڑکیوں کے حالات میں ایسی تبدیلی نہیں ہوئی تھی کہ جن کی وجہ سے پرانے طریقہ تعلیم

کو جو بہت مفید تھا بدل دینے کی ضرورت ہوتی۔ اس لیے سر سید نے لڑکوں کو جدید قسم کے اداروں میں نئے علوم کی تعلیم دینے کے لیے پوری جد و جہد کی۔ لیکن لڑکیوں کے لیے پرانا طریقۂ تعلیم برقرار رکھنے کی تائید کرتے رہے۔ لڑکیوں کے لیے وہ جدید علوم کو بھی ناموزوں تصور کرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان میں وہ زمانہ سینکڑوں برس بعد بھی نہ آئے گا کہ عورتوں کو جدید علوم کی ضرورت ہو اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہاں سر سید کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ ان کے بعد دنیا نے جس حیرت انگیز رفتار سے ترقی کی وہ اس کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان میں وہ جن تبدیلیوں کو سینکڑوں برس بعد بھی ناممکن خیال کرتے تھے وہ پچیس، تیس سال کے اندر رونما ہو گئیں۔

حالات کا تقاضہ

لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں سر سید نے جو مختلف طرزِ عمل اختیار کیا اس کی مصلحت انھوں نے مولوی ممتاز علی صاحب کے نام ایک خط میں بیان کی ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سر سید عورتوں کو اعلیٰ اور جدید تعلیم دینے کے بڑے حامی تھے مگر یورپ سے معاشرہ کے بگڑے ہوئے حالات کو ملحوظ رکھ کر عورتوں کی تعلیم میں فوری اور بنیادی تبدیلی کے خلاف تھے تاکہ گھریلو زندگی میں ہم آہنگی برقرار رہے اور تعلیمی اصلاح و ترقی کا کام رفتہ رفتہ انجام پائے۔ اس خط میں سر سید نے یہ واضح کیا ہے کہ "میری نہایت دلی آرزو ہے کہ عورت کو بھی نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جاوے۔ مگر موجودہ حالت میں کنواری عورتوں کو تعلیم دینا ان پر سخت ظلم کرنا اور ان کی تمام زندگی کو رنج و مصیبت میں مبتلا کر دینا ہے۔ کنواری لڑکیاں تمام عمر بے شادی کے بلحاظ حالاتِ ملک نہیں رہ سکتیں اور نہ ان کی زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ پس ضرور ان کی شادی کرنی ہو گی۔ ہماری قوم کے لڑکوں کی جو ابتر و خراب حالت ہے اور بد عادتیں اور بد افعال ان کے ہیں اور بد اخلاق اور بد طریقہ ان کا اپنی جوروؤں کے ساتھ ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس وقت تمام اشراف خاندانوں میں ایک لڑکا بھی نیک چلن اور خوش اخلاق، تہذیب و

تعلیم یافتہ نہیں نکلنے کا جو اپنی جورو کو انیس غم گسار سمجھے۔ کل خاندانوں کے لڑکوں کا یہ حال ہے جو روؤں کو لونڈیوں سے بدتر سمجھتے ہیں اور کوئی بداخلاقی ایسی نہیں جو جوروؤں کے ساتھ نہیں برتتے۔ اب خیال کرو کہ بے تربیت لڑکی پر یہ مصیبت صرف ایک حصہ ہے۔ اس کو خود خیالات عمدہ و تہذیب کے نہیں ہیں اس لیے اس کو اپنے خاوند کی بداخلاقی صرف بقدر ایک حصہ کے رنج و مصیبت میں رکھتی ہے۔ اور جب کہ وہ اپنی تمام ہمسروں کا یہی حال دیکھتی ہے تو کسی قدر تسلی پاتی ہے۔ اور اس کے ماں باپ جب اس کی حمایت کرتے ہیں تو اس کے دل کو زیادہ تشفی ہوتی ہے۔ مگر جب وہ خود شائستہ و مہذب و تربیت یافتہ اور عالی خیال ہو تو یہ تمام معلومات اس کی روح کو بہت زیادہ رنج دیتے ہیں اور اس کی زندگی بلائے جان ہو جاتی ہے۔ عورات کی تعلیم قبل مہذب ہونے مردوں کے نہایت ناموزوں اور عورتوں کے لیے آفتِ بے درماں ہے۔

سرسید کی ان تمام تحریروں اور تقریروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تعلیم نسواں کے زبردست حامی تھے۔ اور ہندوستان کے مخصوص حالات کی بنا پر ان کا یہ نظریہ تھا کہ پہلے لڑکوں کی تعلیم پر پوری طرح توجہ کی جائے۔ جب یہ مسئلہ حل ہو جائے گا تو لڑکیوں کی تعلیم کا بھی ایسا معقول انتظام ہو سکے گا جو اس ملک کے حالات کے مطابق اور مفید ہو۔ اس وقت فوری مسئلہ یہ تھا کہ مردوں نے عورتوں کو تمام حقوق سے محروم کر دیا تھا اور معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لیے یہ نہایت ضروری تھا کہ عورتوں کو ان کے تمام جائز حقوق دیے جائیں اور ان کا پوری طرح تحفظ کیا جائے۔ اس مسئلہ کی اہمیت کو سرسید نے شدت سے محسوس کیا اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت کو اپنی اصلاحی تحریک کا ایک بنیادی مقصد قرار دے کر اس کی تکمیل کے لیے پوری جدوجہد کی۔